سیّد عطاء المحسن بخاریؒ......اک ضرب یداللّٰہی

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

بارہ سال قبل ۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ، مطابق ۱۲؍نومبر ۱۹۹۹ء بروز جمعۃ المبارک امیر مجلس احرار اسلام ابن امیر شریعت، پیکرِ جرأت وحمیّت اور شفیق مکرّم سید عطاء المحسن بخاری بعمر ۶۳ برس رحلت فرما گئے تھے۔

''شاہ جی'' کی جامع اوصاف اور ہمہ گیر شخصیت گوناگوں کمالات کا مجموعہ تھی۔ وہ ایک پختہ حافظِ قرآن، مستند قاری، جیّد عالم دین، محقق، وسیع المطالعہ، ماہرِ تاریخ، قدیم وجدید علوم پر عمیق نظر رکھنے والے نابغۂ روزگار دانشور، اپنی طرز کے منفرد ادیب وشاعر، غیّور وخوددار صحافی، ممتاز کالم نگار، دینِ حق کے نہایت ہی جری، پُرجوش وبے باک مبلّغ وداعی اور بلند پایہ خطیب تھے۔

علاوہ ازیں موصوف کے آئینۂ اخلاق میں زہد وعبادت، امانت ودیانت، اخلاص وخشیّت، اصابتِ رائے، اتّباعِ سنّت، جوش قبولِ حق، انکسار وعاجزی، تواضع وفیّاضی، عفو ودرگزر، ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' اور ''حلم واناۃ'' کی صفات کا عکس نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

مؤخر الذّکر صفت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''اِنَّ فِیْکَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ الْحِلْمُ وَ الْاَنَاۃُ'' (صحیح مسلم شریف)

آپ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں یہ تحمّل اور صبر ہیں۔

''حِلم'' سے مراد وہ بردباری اور تحمل ہے جس میں عقل وفراست بھی شامل ہو جب کہ ''اناۃ'' ایک وسیع المعانی لفظ ہے اس میں صبر وسکون اور وقار وتحمّل کی خوبیاں شامل ہوتی ہیں۔ یہ دونوں خوبیاں جس میں پائی جائیں وہ نرمی و شفقت کا پیکر ہوتا ہے۔ بڑے مصائب کے سامنے کوہِ گراں اور صبر واستقلال کا مجسمہ ہوتا ہے۔

نیز یہ صفات اسے غیظ وغضب سے محفوظ رکھتی ہیں۔ ایسا شخص خفّت اور جلد بازی کا شکار نہیں ہوتا اور اسے قلبی سکون اور ذہنی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ الحمد للہ شاہ جی کو مذکورہ صفات میں سے وافر حصہ ملا ہے۔

موصوف کی زندگی کی سب سے نمایاں خصوصیت سراپا مقصدیت اور اس کے مطابق مشغولیت تھی اور اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی خاص بندہ پر یہ خاص الخاص فضل ہوتا ہے کہ اسے کسی اچھے اور بڑے کام کی صلاحیت بخشی جائے پھر اس کام کی لگن اس کے دل میں لگا کر اس میں اس کو مشغول بھی کر دیا جائے۔

شاہ جی کی تربیت، خاندانی ماحول اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ان کی عظیم جدّ وجہد سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت ان کی رفیق تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی حد درجہ انہماک ومشغولیت اور مجاہدہ وریاضت کی زندگی تھی۔

وہ جس راستے پر چلنے کو حق سمجھ لیتے پھر کسی کا بات سننا یا نہ سننا، ماننا یہ نہ ماننا، کسی کا ساتھ دینا یا نہ دینا، کسی کی رضا مندی یا ناراضگی، کسی کی تسکین یا ملامت حتیٰ کہ کوئی زلزلہ یا طوفان بھی ان کے پائے استقامت میں کوئی لرزش نہیں ڈال سکتا تھا۔

کفر وضلالت، الحاد ودہریت، سبائیت وقادیانیت، اعدائے صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم، اور بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''نادان مخالفین'' کے خلاف ہر محاذ پر ''صورتاً وحقیقتاً'' شدید ترین مزاحمت ہی ان کا مشن ومسلک تھا۔ وہ ''الحبّ للہ'' اور ''البغض للہ'' پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے۔ صدائے اسلام کے ساتھ اس طرز عمل اور مزاحمت نے انہیں ''وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً'' (التوبہ:۱۲۳) کا بھی مصداق بنادیا تھا۔ یعنی مخالفین اسلام اور اعدائے صحابہ رضی اللہ عنہم تمہارے طرز عمل سے محسوس کرلیں کہ تمہارے اندر ان کے لیے موالات، دوستی اور محبت کی کوئی جگہ باقی نہیں رہ گئی بلکہ جس طرح وہ من حیث القوم تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن ہیں اسی طرح تم بھی من حیث الجماعت ان کے اور ان کے دین کے دشمن بنو۔ اب تک وہ تمہارے دل میں اپنے لیے بڑا نرم گوشہ پاتے تھے اس وجہ سے ان کو توقع تھی کہ وا اپنے مقاصد کے لیے تم کو برابر استعمال کرتے رہیں گے اب یہ حالت یکسر ختم ہونی چاہیے۔

شاہ جی کے مخالفین ان کی تقریر وتحریر سے جان گئے تھے کہ ان کے دل میں ان کے لیے محبت ومؤدت یا نرم گوشہ نہیں بلکہ فرمانِ الٰہی کے تحت ان کے دل میں غلظت اور سختی پائی جاتی ہے۔ **والفضل ما شهدت به الاعداء.**

اس مقصد کے حصول اور اپنے مشن کو عام کرنے کے لیے ''شاہ جی'' نے ابلاغ کے دونوں ذرائع یعنی تحریر وتقریر سے خوب کام لیا ہے۔ تحریر کا حلقۂ اثر محدود ومخصوص لیکن مستقل اور دائمی ہے جس سے صرف ''خواندہ'' طبقہ ہی مستفید ہوسکتا ہے۔ مگر ''قلم'' زمان ومکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم وفنون سے حال ومستقبل کو روشن کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں جنم لینے والے اولوالعزم حکماء وفضلاء کے افکار ونظریات کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچاتا ہے۔

تعلیم اور تبلیغ بالقلم اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ہے۔ اسی لیے اس کی جلالتِ شان کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی گئی بلکہ ''وَمَا يَسْطُرُونَ'' فرما کر علم کے ان جواہر پاروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس کی زینت بنتے ہیں۔

شاہ جی نے اپنا مشن قارئین تک پہنچانے کے لیے ''قلم'' جیسے بڑے اور مؤثر ہتھیار سے بھی خوب کام لیا ہے۔ روزنامہ ''خبریں'' اور ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان کے قارئین اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ روزنامہ ''خبریں'' کے چیف ایڈیٹر ضیاء شاہد صاحب موصوف کی کالم نگاری کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''سید عطاء المحسن بخاری ایک مکمل کالم نگار تھے۔ زبان، لغت، اصطلاحات، روزمرّہ محاورے، ضرب الامثال، سلاست اور روانی میں جو کمانڈ انہیں حاصل تھی وہ میں نے کسی اور کالم نگار میں نہیں دیکھی۔ وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار پوری جرأت کے ساتھ کرتے تھے۔ انہوں نے کالم نگاری کو بطور پیشہ کے نہیں بلکہ بطور مشن کے اختیار کیا تھا۔ وہ ایک عرصے تک ''خبریں'' کے لیے بلا معاوضہ لکھتے رہے۔ وہ اپنے فکر ونظریہ اور مؤقف کے ساتھ بہت مخلص تھے۔'' (ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان۔ نومبر ۲۰۰۸ء، صفحہ: ۵۲)

علاوہ ازیں ان کے قلم سے ''دین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور حیثیت، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' اور دیگر متعدّد چھوٹی بڑی تالیفات اور مقالات نکلے جن میں سے بعض کو ''بخاری اکیڈمی'' دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان نے

کتابی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔

جہاں تک ابلاغ کے دوسرے ذریعے ''تقریر و خطابت'' کا تعلق ہے تو اس میں تو انہیں موروثی ملکہ حاصل تھا۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ تقریر کا دائرہ انتہائی وسیع اور عمومی ہے لیکن خاص وقت اور ماحول سے مشروط ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مؤثر اور فیصلہ کن ذریعہ اظہار ہے جس سے ہر خاص و عام فیض یاب ہوتا ہے۔

شاہ جی فنِ خطابت کے تیور شناس تھے۔ ان کی خطابت میں بلا کی تاثیر تھی۔ ان کا انداز بیاں بلاشبہ اس حکمِ الٰہی کی تعمیل تھا کہ:

''وَ قُلْ لَهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلاً ۢبَلِيْغاً. ان سے ایسے انداز میں باتیں کریں جو ان کے دل میں اتر جائیں۔ (النساء: ۶۳)

خطابت میں کلمۂ حق کا اظہار ان کا طرّہ امتیاز تھا جب کہ دوران تقریر ان کی مسحور کن تلاوت قرآن اس پر مستزاد ہے۔ مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شاہ جی کو ہر شعبے میں دین کے دفاع اور اس کے ابلاغ کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے تحریر و تقریر کے ذریعے باطل فرقوں اور اسلام دشمن قوتوں بالخصوص انتہا پسند سیکولرسٹوں، لبرل فاشسٹوں، قادیانیوں، سبائیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمنوں کو ہر میدان میں تسلسل کے ساتھ للکارا۔

ان کی تقریر میں نمایاں طور پر ''جمال و جلال'' کا حسین امتزاج محسوس ہوتا تھا۔ دورانِ تقریر حسب موقع چہرہ پر آثار جلال اور ایسا جوش ظاہر ہوتا تھا جس سے معلوم ہوتا کہ کوئی جرنیل اپنی فوج کو خطاب کر رہا ہے۔

میں ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۲ء جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں زیر تعلیم رہا ہوں۔ اس دوران میں متعدد مرتبہ ایک عام سامع کی حیثیت سے جانشین امیر شریعتؒ مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ اور مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ کی تقاریر سننے کا اتفاق ہوا لیکن سب سے پہلی ملاقات ۱۹۷۲ء میں ''بخاری اکیڈمی'' ملتان میں ہوئی۔

مجھے کسی کام کے سلسلہ میں ملتان جانا پڑا وہیں حضرت امیر شریعتؒ کی قبر کی زیارت کا داعیہ پیدا ہوا تو میں مقامی ساتھی کی معیّت میں ''جلال باقری'' قبرستان پہنچ گیا تو وہاں ایک چار دیواری کے باہر لکھا ہوا تھا: ''خطیبِ ملّت، بطلِ حُرّیت امیرِ شریعتؒ کی آخری آرام گاہ'' اندر بالکل کچی قبر تھی۔ دعا کے بعد واپسی پر راستے میں کچہری روڈ پر کتابوں کی ایک دکان (جو بخاری اکیڈمی سے موسوم تھی) میں شاہ جی سے مفصل ملاقات ہوئی۔ پھر اس کے بعد طویل عرصہ تک تعطل رہا۔

۱۹۸۵ء میں حویلیاں کے ایک بریلوی نما رافضی پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی نے اپنی تقاریر میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ باغی، طاغی، ظالم، منافق اور کافر کہنا شروع کیا تو اس کے خلاف ۲۹۸-A کے تحت ایک مقدمہ ۸ سال (۱۹۸۵ء۔ ۱۹۹۲ء) تک ایبٹ آباد کی مختلف عدالتوں میں زیر سماعت رہا جو بالآخر ''مجرم'' (ملزم) کی موت کی وجہ سے داخل دفتر ہو گیا۔ مذکورہ مقدمہ کی طویل پیروی کے دوران ملزم کی طرف سے میرے خلاف ترہیب و تخویف کا ہر حربہ استعمال کیا گیا نیز ایبٹ آباد، کوہاٹ اور کراچی کی عدالتوں میں بہت سے جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات قائم کیے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور ثابت قدمی کی عظیم نعمت سے نوازتے ہوئے آٹھ برس تک مختلف عدالتوں میں اس جلیل القدر اور مظلوم صحابی کے دفاع کی توفیق عنایت فرمائی۔

حضرت شاہ جی کو میں نے اس صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے بہت ہی ہمت افزائی فرمائی۔ چنانچہ وہ

میرے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے سلسلہ میں آپ جن مشکلات سے دوچار ہیں یہی بات اہل حق کا ورثہ ہے۔ آپ نے یہ وراثت سنبھال لی ہے۔ اللہ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور آپ کی حفاظت ونصرت فرمائے۔ آمین

اپنی کامیابی کے لیے سات دن روزانہ ۴۱ مرتبہ سورۃ یٰسین شریف کا ختم کرائیں یقیناً اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی اور دشمن خائب وخاسر ہوگا۔'' اس کے بعد تادمِ واپسیں ہمیشہ مجھے ان کی سرپرستی حاصل رہی۔

موصوف نے میری کتاب ''اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟'' کی تقریب رونمائی میں ۱۸؍دسمبر ۱۹۹۴ء کو بمعیت برادر محترم جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری اور مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹیؒ علالت کے باوجود طویل سفری صعوبتیں برداشت کر کے بحیثیت مہمان خصوصی شرکت فرمائی۔ ملاحظہ ہو (ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' ملتان۔ جنوری ۱۹۹۵ء، صفحہ: ۲۵۔۲۶)

موصوف نے میری کتاب ''فرقہ مسعودیہ...... نام نہاد جماعت المسلمین کا علمی محاسبہ'' پر حمیّت دینی سے بھرپور جامع تبصرہ ازخود فرمایا۔ مسعود احمد امیر جماعت المسلمین کا ایک اقتباس نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

''پڑھیئے اور اپنے دائیں بائیں پھیلے ہوئی کروڑوں دین کا کام کرنے والے مسلمانوں سے جدا کرنے کی اس تہذیبی یلغار کی خوبیوں پر عش عش کیجئے اور اس غبن فاحش کی داد دیجئے کہ یہی وہ پیرایہ بیان ہے جو ''دجل'' کی زد میں آتا ہے۔ اسی کو دجل کہتے ہیں جو حقیقت کے چہرے غبار سے اٹ دے یا شفاف پانی میں طین گھول کے اس کے حسن کو گدلا دے، گدلا دے اور اس کے بعد مسعود احمد صاحب اُمّت کے تمام افرادِ کار کو کافر، بے ایمان، جاہل، فرقہ باز اور نہ جانے اس قارونِ لغت نے اپنی پاکستانی لغت کا کون کون سا لفظ ہے جو چپکانے کی کوشش نہیں کی۔ اصلاح اُمّت کا دعویٰ لے کر اٹھے اور پوری اُمّت کو گمراہی اور کھلی گمراہی میں دھنسی ہوئی قرار دیا۔

حضرت قاضی محمد طاہر الہاشمی زید فضلہ وعلمہ پوری اُمّت مسلمہ کی طرف سے مبارک باد کے مستحق اور شکریہ کے لائق ہیں جنہوں نے اس نام نہاد ''جماعت المسلمین'' کا علمی محاسبہ اور تعاقب کر کے پوری اُمّت پر واضح کیا کہ یہ جماعت، جماعت المسلمین نہیں بلکہ جماعت المسلمین کو کافر، ملحد، زندیق کہنے والی جدید ''جماعت الکافرین'' ہے۔ مرزائیوں، سبائیوں کے بعد اس جماعت الکافرین کا درجہ ہے......

میں صمیم قلب سے قاضی صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس زنگی کو کافور کہنے کی بجائے ایمان ویقین سے بہت دور ثابت کیا اور ہم ایسوں کو اس کفر ساز ادارے کے کافر گروں کے فسوں سے محفوظ کیا اور اس دجّالی فتنہ کے چہرے سے نقاب سرکایا ہے۔ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب سے راضی ہو اور اس سے بہتر خدمت سرانجام دینے کی طاقت وتوفیق عطا فرمائے آمین۔'' (ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' ملتان۔ جون ۱۹۹۶ء، صفحہ: ۵۴۔۵۵)

۱۹۹۸ء میں مولانا محمد اسلم شیخوپوری کی زیرادارت ماہنامہ الاشرف کا ''قرآن نمبر'' شائع ہوا جس پر ماہنامہ نقیب ختم نبوت دسمبر ۱۹۹۸ء کے شمارے میں تائیدی وتحسینی تبصرہ شائع ہوا۔

یہ تبصرہ پڑھ کر میں نے شاہ جی کو خط لکھا کہ اس نمبر میں ڈاکٹر سید رضوان ندوی صاحب کا بھی ایک مضمون شامل

ہے جنھوں نے صفحہ: ۱۱۷ تا ۱۳۸ یعنی ۲۲ صفحات پر پھیلے ہوئے اس مضمون میں جا بجا صحابہ رضی اللہ عنہم کی شدید ترین توہین کی ہے تو شاہ جی اپنے جوابی مکتوب میں فرمایا:

''آپ کا مؤقر گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ میری بے خبری میں یہ سب کچھ ہوا محمد کفیل سلمہ بھی سفر پر چلے گئے۔ میری بادیہ پیمائی اس بے چارے کے حصے میں آئی ہے اس لیے بھائی حبیب الرحمٰن صاحب (فاضل مبصّر و معاون مدیر ماہنامہ نقیبِ ختم نبوت) کی سرسری نظر ''قرآن'' پر جم گئی اور قرآن کریم کے فضائل و مناقب کے علاوہ کہیں نہ گھوم سکی۔ میں عنقریب نشان زد صفحات اور دیگر مرکبات کا مشاہدہ کر کے تھوڑی بہت خدمت کروں گا۔ جن اسلاف کا ذکر حسرت آپ نے کیا ہے وہ تو مشترکہ غم ہے۔ مجھ جیسا کوچہ گرد بھلا اس منصب کے لائق کہاں ''تاہم گندم اگر بہم نرسد بھس غنیمت است۔''

امید ہے آپ کا حلقۂ احباب، اعزہ تمام خیر و عافیت سے ہوں گے۔ فقیر کا سب کو سلام پہنچے۔''

بعد میں شاہ جی نے ڈاکٹر رضوان ندوی کے مضمون کے جواب کی ذمہ داری بھی مجھ پر ڈال دی۔ چنانچہ میں نے ان کے حکم کی تعمیل میں ۱۹ صفحات پر مشتمل مفصل و مدلّل جواب لکھا جسے محترم بھائی جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری نے کمال مہربانی سے نقیبِ ختم نبوت مارچ ۱۹۹۹ء کے شمارے میں از صفحہ: ۲۸ تا ۴۶۔ ایک ہی قسط میں شائع کر دیا۔

جب میرا یہ مضمون مولانا محمد اسلیم شیخوپوری صاحب کی نظروں سے گزرا تو انہوں نے اپنے تأثرات مجھے براہِ راست خط میں بھیجنے کے بجائے بہ عنوان ''اعتذار'' مدیر نقیب ختم نبوت کو برائے اشاعت ارسال کر دیے جسے جولائی ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں صفحہ: ۶۰۔۶۱ پر شائع کر دیا گیا۔ یقیناً یہ ''اعتذار'' مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب کی اخلاقی جرأت ہی کی نہیں بلکہ ان کے علم و فضل، زہد و ورع، خوف و خشیّت اور تقویٰ و طہارت اور سب سے بڑھ کر ان کی ''ایمانی صلابت'' کی عظیم دلیل ہے۔ اس ''اعتذار'' میں موصوف نے مجھے براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ:

''ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کے ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ کے شمارہ میں آپ کا مضمون ''تردیدِ اصلاحی یا توہینِ صحابی'' پڑھا۔ میں آپ کے جذبات و احساسات کی قدر کرتا ہوں اور مضمون کے مندرجات سے متفق ہوں۔ واقعتاً ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب نے اپنے مقالہ میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ ہمارے اکابر کے عقائد اور تاریخی حقائق کے منافی ہیں۔''

شاہ جی نے میری دو کتابوں ''تذکرۂ خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' اور ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ'' پر جاندار اور زوردار مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔

تذکرۂ خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب طبع ہو کر آئی تو ان دنوں شاہ جی چناب نگر (ربوہ) میں سالانہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس کے اہتمام میں مصروف تھے۔ مجھے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ۱۰ر اگست ۱۹۹۵ء، ۱۲ر ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ کو اس پروگرام میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ وہیں میں نے کتاب شاہ جی کی خدمت میں پیش کی۔ کتاب دیکھ کر ان کی خوشی دیدنی تھی، بہت دعاؤں سے نوازا۔ جب میں نے کتاب کی تقریب رونمائی میں شرکت کی دعوت دی تو بلاتأمل فرمایا:

''انشاءاللہ ضرور شریک ہوں گا۔ یہ بات بطورِ تحدیثِ نعمت کہتا ہوں اور اس میں کوئی تعلّی و تکبر نہیں ہے۔ ملک میں

اس مظلوم صحابی کے دفاع کی تحریک ہم نے ہی شروع کی ہے۔ ہم نے ہی اس ملک میں سب سے پہلے ''یومِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' منانے کی داغ بیل ڈالی۔ میں نے ہی پہلی مرتبہ (۱۷ ؍رجب المرجب ۱۳۸۱ھ، ۲۵ ؍دسمبر ۱۹۶۱ء کو) ملتان میں پہلے ''یومِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے تاریخی اجتماع کا انتظام و انصرام کیا تھا۔ جس میں بھائی جان (حضرت سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ) نے تاریخی خطاب فرمایا تھا۔ نتیجتاً پابندیاں عائد ہوئیں، جیل گئے۔ طعن و تشنیع کے تیر برسے، اپنوں و بیگانوں سے گالیاں کھائیں، ساتھیوں کو پٹوایا، گھروں پر گولیوں کی بارش ہوئی۔ آگ لگائی گئی، دس بارہ چوریاں ہوئیں، قاتلانہ حملے ہوئے، ہم مسلک حلقوں نے مکمل سماجی بائیکاٹ کیا۔ یہ سب کچھ تو ہماری وجہ سے ہوا لہٰذا اس کتاب کی تقریب رونمائی میں کوئی مانع پیش نہ آگیا تو ضرور شرکت کروں گا۔''

لیکن جوں ہی تقریب کے انعقاد کی تاریخ (۶ ؍ستمبر ۱۹۹۵ء) قریب آئی موصوف بوجہ علالت طویل سفر اختیار نہ فرما سکے تو تقریب کے لیے اپنا تحریری مضمون جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری کے توسط سے بھجوایا جسے انہوں نے اپنے صدارتی خطبہ کے طور پر تقریب رونمائی میں پڑھ کر سنایا۔ بعد میں مدیر نقیب ختم نبوت نے اسی پس منظر اور تعارف کے ساتھ افادۂ عام کی غرض سے بہ عنوان: ''چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر...... تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عین حق اور معیارِ حق ہیں۔'' نقیب ختم نبوت کے اوراق کی زینت بنایا۔ شاہ جی اس مضمون میں فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے مذہبی و مسلکی معاشرے کا عام رجحان یہ ہے کہ دیوبندی علما، بریلوی علما، غیر مقلد علما اپنی اپنی تحقیقات میں اور اپنی اپنی ترجیحات میں جو لکھ دیں جو کہہ دیں وہ مستند و معتبر ہے اور اگر ان کی اس رائے سے اختلاف کیا جائے یا اس کو غلط کہہ دیا جائے تو الزام لگا دیا جاتا ہے کہ یہ شخص بزرگوں کا گستاخ ہے اور یہ تہمت لگانے والے خصوصاً وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو موحّد، یگانۂ عصر اور یکتائے روزگار کہتے اور منواتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اعلیٰ درجہ کے اسلاف پرست اور بزرگ پرست ہیں اور بزرگوں کا فکری بت بنا کر اس کی پرستش سے بھی باز نہیں آتے۔ عالم یہ ہے کہ اس بزرگ پرستی اور اسلاف پرستی میں ہمارے دیوبندی اور اہل حدیث بھائی، بریلوی بھائیوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں اور بزرگوں کے ایسے ایسے قصّے سناتے ہیں اور ایسی ایسی کرامات بتاتے ہیں کہ وہ ہندوؤں کے ڈپلیکیٹ دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض شخصیت سازی ہے اور شخصیت کا ایک ایسا دائرہ بنانے کی مذموم کوشش ہے جس میں معتقدین و متوسلین گھر کے رہ جائیں اور گُھٹ کے مر جائیں اور یہی اس کاوشِ نامسعود کی منشا ہوتی ہے۔ حالانکہ عقائد، فرائض، واجبات، سنن یا دیگر دینی احکام کے علاوہ دین میں توسّع موجود ہے خصوصاً تاریخی روایات یا تاریخی آرا و قصص کے بارے میں۔

مثلاً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بزرگ پرستوں اور اسلاف پرستوں کے ترکشِ طعن و تشنیع کا کمزور سے کمزور تیر یہ ہے کہ:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشاجرات میں آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا ورنہ لاینحل عُقدہ ہے اس کو حل کیے بغیر اہل سنت والجماعت کا مؤقف نکھر کے سامنے نہیں آتا۔''

اس میں پھر بزرگوں اور اسلاف پرستوں کا آپس میں اختلاف ہے۔ خیالی بت پوجنے والا ایک گروہ کہتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف عنادی تھا۔''

دوسرا گروہ جو محض بزرگوں کی لکیر کا نابینا فقیر ہے کہتا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف اجتہادی خطا ہے۔''

مزے کی بات یہ ہے کہ کہنے والے سب کے سب تقریباً عجمی ہیں۔ یہ نابینا بزرگ جس شخصیت گرامی کے اجتہاد کو خطا یا عناد کہتے ہیں وہ اللہ کے چنے ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں۔ اللہ کے رسول نے ان کا تزکیہ کیا، ان کے ظاہر و باطن کو اجالا، ان کی عدالت کی تصدیق کی، ان کو راشد و ہادی بنایا، ان کو مؤمن حقیقی کہا، ان کو مصلحین و فائزین کہا، ان کی آخرت پر اللہ کی رضا کی مہر لگا دی۔ اور جن لوگوں کو یہ معیار بناتے ہیں ان کی عاقبت کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔ ان کے دنیا کے اعمال تولے جائیں گے پھر فیصلہ ہوگا۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ بلند کے عوض تولے جائیں گے۔ پھر کون ہے جو آفتابِ رسالت کے ایسے ماہِ مبین کے سامنے نجم کے چراغ جلا سکے۔

دیوبندی علما یا بریلوی علما یا سلفی علما معیارِ حق نہیں بلکہ معیارِ حق تو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ سارے عجمی طبقے بتاتے، پڑھاتے یہی ہیں کیونکہ ان کا رزق اسی اظہارِ عقیدت سے وابستہ ہے مگر جونہی ان کی اس ژولیدہ فکر کی تردید کی جاتی ہے۔ ان عجمی سکّہ بند ڈبوں اور ڈبہ پیروں کو تنقید کی سان پر چڑھایا جاتا ہے تو یہ اعجام واسقام بزرگی دہائی ڈال دیتے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کیا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق سمجھ کے خلافت دی یا عنادی و خاطی سمجھ کے؟ ان کی خلیفہ رسول سمجھ کے بیعت کی یا بادشاہ سمجھ کے؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ واحد صحابی ہیں جن کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام طبقات نے بیعت کی۔ کیا انہوں نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو عنادی یا خاطی سمجھ کے بیعت کی؟ کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مطلق نہ تھے؟ کیا ان کے اجتہاد کے سامنے کسی عجمی غیر مجتہد کی بات کو معتبر و مستند مانا جائے گا؟ کیا یہ دیوبندی، بریلوی، غیر مقلّد مسلمان، بڑے یا چھوٹے کسی مرجوح القول صحابی کے مقابلے میں بھی معتبر و مستند ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ صحابی کے اجتہاد کے مقابلے میں ائمہ اربعہ کے اجتہاد کو بھی فوقیت دی جاسکتی ہے؟

تمہارے عجمی سازشی بزرگوں کی بات نہ مانی جائے تو بزرگوں کی گستاخی ہو جاتی ہے اور تم عجمی مریدین اور تمہارے عجمی بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد و اجماع سے روگردانی بھی کریں تو تمہارا کچھ نہیں بگڑتا، تمہارا ٹائٹل نہیں بدلتا؟ جو ہفوات تم عجمی لوگ کہتے ہو یہی کوئی اور لکھے تو وہ شیعہ، رافضی، ملحد، زندیق لیکن تم دیوبندی، بریلوی، سلفی جو چاہے کہتے لکھتے رہو تم پکّے اہل سنت والجماعت؟

''سنت'' تو ان کے رشد و ہدایت کو تسلیم کرنا ہے صرف سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ اللہ کا حکم ہے کہ ان کی اتباع کرو اور بغیر دلیل پوچھے اتباع کرو۔ تم یہ سب رویّے چھوڑ کر، سنت مبارکہ ترک کر کے پھر سنّی کے سنّی اور تابع دار سنّی؟ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت و مزاحمت کر کے پھر بھی اہل سنت والجماعت؟ واہ ری جماعت تیرا کیا کہنا؟

یاد رکھو! تم سنّیوں کے جتنے بھی طبقات شائستہ یا ناشائستہ ہیں تم تمام عنادی خاطی۔ تمہارے بزرگ گرگ باراں دیدہ عنادی و خاطی، باطل، فاسق، ضالّ اور مضلّ ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیعت کرنے والے تمام صحابہ و تابعین حق، بلکہ عینِ حق اور معیارِ حق ہیں۔

یہی ہمارا ایمان ہے۔ اس پر ہم سختی سے قائم ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہماری قرآنی شخصیات ہیں جب کہ تمہاری شخصیات عجمی، سازشی اور منحرف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غیر مشروط اتباع، احترام اور دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔'' آمین (ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' ملتان۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء، صفحہ:۱۳۔۲۴، ۲۱)

موصوف اپنے ایک دوسرے مضمون ''اہل سنّت والجماعت کون؟'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''اہل سنّت والجماعت کا ٹائٹل اپنے سینہ پر سجا کے جو لوگ دشمنوں کی بولی بولتے ہیں۔ وہ کہتے، لکھتے اور اصرار کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیعت نہ کرنا ان کی ''خطائے اجتہادی'' ہے۔ اور یہ کہنے لکھنے والے تمام کے تمام غیر مجتہد ہیں۔ تنقید کرتے ہیں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مجتہدِ مطلق پر...... ایں چہ بوالعجبی است؟

نابینا، بینا پر نقد و جرح کرتا ہے، غیر مجتہد، مجتہد مطلق کے اجتہاد کو خطا کہتا ہے۔ میں ان نابینوں سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ علمائے عجم! آپ کسی عجمی سازش کا صید زبوں تو نہیں ہو گئے؟ جو اس قسم کے ''اول فول'' تک نوبت پہنچی ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خطا پر صلح کی؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک خاطی کی بیعت کی؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما ایک خطا کار کے پاس جایا کرتے تھے؟

سیدنا معاویہ رضی للہ عنہ و سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام طبقات جمع ہو گئے۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ''خطا کار'' پر اجماع کیا؟ اس سال کا نام عام الجماعت رکھا گیا۔ کیا یہ عام الجماعت خطا پر قائم ہوا تھا؟ اگر یہ تمام خطا پر جمع ہوئے تو کیا یہ عدل ہوا؟ تمام اہلِ سنّت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عدول ہونے پر متفق ہیں لہٰذا عدول پر الزام عائد کرنے والے غیر عادل ہوئے۔ غیر عادل، عادل پر تنقید کرے یہ کہاں کا اصول ہے؟ کیا یہ اصول اہل سنت نے وضع کیا ہے؟ پھر سوال ہوگا کیا اہل سنت صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کے لیے اصول وضع کرنے کے مجاز ہیں؟ اگر اہلِ سنّت اصول وضع کرنے کے مجاز ہیں تو دیگر غیر اہل سنّت مجاز کیوں نہیں، پھر تو ہر کہتر و مہتر کو اصول وضع کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا حق مل جاتا ہے اور یہی حق سید ابوالاعلیٰ مودودی نے استعمال کیا ہے تو اس پر چیخنے چلّانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اب خصوصاً بزعم خود نام نہاد دیوبندی علما بہت ہی زیادہ چیں بہ چیں ہیں تو کیوں؟ سید مودودی پر تنقید و جرح کو تو آپ کارِ ثواب سمجھیں اور آپ پر تنقید کی جائے تو گستاخی...... یہ دوہرا معیار، یہ آپ کے دورُخ اسے عجمی سازش تو کہا جائے گا، حق نہیں...... اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں تو پھر آپ اور آپ کے تمام عجمی علما یقیناً معیارِ حق نہیں۔ معیارِ حق تو در کنار آپ حق بھی نہیں۔ آپ صریحاً باطل ہیں اور دوغلے ہیں۔

آپ مودودی کے خلاف زبان دارزی کریں تو یہ کہہ کر کہ صحابہ معیارِ حق ہیں اور آپ ہرزہ سرائی کریں تو آپ ''علمائے حق''

حق تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ہے، معیارِ حق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں اور آپ معیارِ باطل۔ معیارِ حق کے مقابل معیارِ باطل کو رد کر دیا جائے گا اور میں آپ کو اور آپ کے متوسلین کو علی وجہ البصیرت رد کرتا ہوں۔ آپ کو مردود قرار دیتا ہوں۔

جھوٹے تقدّس اور تقدّس کی چند ظاہری رسموں پر کار بند لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا حق رکھتے ہیں تو